ہارون الرشید

آیئے عرض گزاریں ہم بھی

کون جانتا ہے۔کون جانتا ہے کہ آنے والا کل کیا لائے گا اور کون سا خواب متشکّل ہو پائے گا۔آدمی مگر دعا کے ہاتھ تو اٹھا سکتا ہے۔۔۔آیئے عرض گزاریں ہم بھی۔

انڈونیشیا میں کبھی کوئی فوج اتری اور نہ کبھی کوئی معرکہ برپا ہوا۔۔۔پھر وہ سب مسلمان کیسے ہو گئے؟

کوئی سمجھنا چاہے تو اسے گوجرخان جانا چاہئے اور پروفیسر احمد رفیق اختر سے ملنا چاہئے، ملتے رہنا چاہئے۔ میں بھی جاتا ہوں۔کوئی دوسری جگہ ایسی نہیں، جہاں جاتے ہوئے ایسی یکسوئی نصیب ہو اور جہاں ایسی شادمانی میسر آتی ہو۔ ہمیشہ، ہر بار۔

کوئی سجادہ نشین اور شیخ وہ نہیں۔ پوچھا: آپ اپنا تذکرہ کس طرح پسند کریں گے؟ایک لمحہ تامل کے بغیر کہا: ایک فقیر، راہِ سلوک کا ایک مسافر۔ پروفیسر صاحب شاید تنہائی کے آرزومند ہوتے۔ خود کہتے ہیں کہ اسی لیے لاہور سے بھاگ کر آیا تھا۔ اپنے والد کی دوکان پر بیٹھا رہتا اور اپنے مالک کو یاد کیا کرتا، پھر خلقت ٹوٹ پڑی۔ ایک آدھ دن نہیں، یہ چار عشروں کا قصّہ ہے۔ پندرہ برس پہلے وہ دن میں نے دیکھے ہیں، جب ہجوم ایسا بے حساب نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہا: میرے مالک نے مجھے کبھی آزمائش میں نہ ڈالا، اس کی مخلوق نے البتہ بہت۔

خدا کی مخلوق یہاں کیا ڈھونڈنے آتی ہے؟ جنرل، سیاستدان، دوکاندار، شاعر، کسان، تاجر، دانشور اور اخبار نویس؟ آدمی کی جنّت چھین لی گئی اور آزمائش میں وہ جھونک دیا گیا۔ اپنے زخموں کی گٹھڑیاں

اٹھائے وہ آتے ہیں اور سب گٹھڑیاں اس دہلیز پر چھوڑ جاتے ہیں۔ اپنی ہمیشہ کی ہموار، انس اور الفت سے بھری مگر بے ریا اور دھیمی آواز میں فقیر ان سے یہ کہتا ہے: اللہ ہی آسمان وزمین، کائنات اور حیات کا خالق ہے اور وہی آدمی کی ترجیح اوّل ہونا چاہیئے۔ محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، فقط وہی ایک نمونہ عمل اور تمام بنی نوع انسان کے سچّے غم خوار۔ کوئی سوال پوچھے بغیر، وہ آدمی کا مسئلہ اسے بتاتے ہیں: بی بی! آپ سخت گیر بہت ہیں، آپ کا بچّہ اس لیے باغی اور بے توازن ہوا کہ آپ کسی کی سنتی نہیں۔ بچّے بے خطا ہوتے ہیں، محبت سے انہیں سکھایا جاتا ہے، پھر وہ ایک ورق اس کی طرف بڑھاتے ہیں، جس پر سرورِ کون ومکاں ﷺ کی دعائیں رقم ہیں۔ ان میں سے بعض پر انہوں نے نشان لگا دیئے ہیں۔ اپنے قلم سے وہ چند اسماءِ ربانی لکھتے ہیں۔ یا سلام، یا مومن یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم یا کریم، یا ولی یا نصیر، یا ذوالجلال والاکرام، یا وہاب۔ مسافر چونک اٹھتا ہے: اس آدمی کو میرے باطن اور احوال کی خبر کیسے ہوگئی مگر بات سچی ہے اور لہجے میں شفقت اور دعا ہے، چودہ صدیاں قبل جو ابوالقاسم ﷺ کے ہونٹوں سے ادا ہوکر بابرکت ہوگئی تھی۔ چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اب ان کی تعداد پانچ لاکھ سے تجاوز کر چکی۔ عمران خاں اور جنرل حمید گل سمیت خود اس طالب علم کے توسط سے ہزاروں۔ کوئی پیچیدہ سوال درپیش ہو، کوئی کرب، کوئی الجھن، کوئی مصیبت، واں ہر دکھ کی دوا ہے اس لیے کہ دوا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ فقیر کوئی بات نہیں کہتا، جس پر محمد ﷺ کی مہر نہیں، جس پر اللہ کی آخری کتاب سے دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔۔۔ اور وہ کسی چیز کا دعوے دار نہیں، عظمت تو بہت دور کی بات ہے، پارسائی کا بھی نہیں۔ کسی نے پوچھا: کیا آپ مومن ہیں؟ کہا: دعویٰ باطل ہوتا ہے، مسلمان ہوں، مومن بننے کی کوشش میں لگا ہوں۔ میرے خاندان کے سبھی بزرگ تہجد گزار تھے۔ چالیس برس کی عملی زندگی میں ہزاروں اجلے آدمی دیکھے لیکن پورا مسلمان ایک ہی دیکھا۔ بے تکلف، بے ریا، سنجیدہ مگر گاہے شوخ وشنگ، تنہائی پسند مگر محفل آرا

بھی، چہرے مہرے اور زیب و زینت میں یکسر ایک عامی لیکن غور کرو تو حیرت زدہ رہ جاؤ۔ "بے شک اللہ کے ولی وہ ہیں جو کبھی خوف کا شکار ہوتے ہیں اور نہ غم کا" ہر حال میں انہیں دیکھا ہے۔ غصّہ، چڑ چڑا پن اور رنج تو دور کی بات ہے، کبھی اداس بھی نہیں۔ حرف شکایت زبان پر آتا ہی نہیں۔ پیہم شکر گزار، پیہم شکر گزار۔ اللہ کے بندوں پر ہمیشہ مہربان۔ اس آدمی کو دیکھ کر پتہ چلا کہ ایسے ہی پیامر ہوا کرتے تھے، جنہیں دیکھ کر انڈونیشیا والے مسلمان ہوئے۔۔۔ اور جہنّم سے ڈراتے مولوی صاحبان؟ بے شمار کو میں نے دیکھا اور برتا ہے۔۔۔ شیخ محشر میں جو پہنچے تو اعمال ندارد۔ جس مال کے تاجر تھے وہی مال ندارد۔

فقیر جب قرآنِ کریم، سیرت اور عہدِ اول کی تاریخ یا عصرِ حاضر پہ گفتگو کرتا ہے تو ادراک ہوتا ہے کہ علم کسے کہتے ہیں۔ نور کا ایک دریا بہتا ہے کہ اول نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے، پھر قرار اور انہماک، حتیٰ کہ ادراک ہونے لگتا ہے۔ تب احساس ہوتا ہے کہ علم نہ گرجتے برستے مولوی کے پاس ہے اور نہ ٹانگوں میں دم دبائے، منمناتے سیکولر کے پاس۔۔۔ درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا۔ چراغ رہگزر کو کیا خبر ہے؟

شب ساڑھے گیارہ بجے تھے جب فلسفہ ارتقا کے بارے میں سوال کیا، صبح کے چار بجے تھے، جب گفتگو تمام ہوئی۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کے سارے مراحل، مغربی سائنسدانوں کے بدلتے اور رفعت پذیر ہوتے مغالطّوں میں اٹے تصورات، قرآن کریم، احادیث اور اصحاب رسولؐ کے افکار، قدیم پیغمبروںؑ کے نظریات۔ ممکن ہے عمران خاں نے بعض کو پڑھا ہو، میرے لیے اکثر نام نئے تھے۔ بوریت کا ایک بھی لمحہ نہیں آتا۔ تب احساس ہوتا ہے کہ علم عبادت سے بڑھ کر کیوں ہے۔ یہ کیوں ارشاد ہوا کہ طالب علم کے قلم کی سیاہی، شہید کے خون سے افضل ہے۔ پیچ در پیچ زندگی اپنے اوراق کھولتی ہے اور زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ احد، احد پکارنے لگتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے کہا* پندرہ سو برس پہلے قرآن کریم کے سوا کس نے کہا تھا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پہاڑ منجمد ہیں؟ وہ تو روئی کے گالوں کی طرح

اڑتے پھرتے ہیں (اور پہلے خلانورد نے ٹھیک یہی الفاظ کہے)* پندرہ صدیاں قبل کس نے کہا تھا کہ سب سیارے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں* کس نے کہا تھا "ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا" پھر بولے: میری کتاب کا دیباچہ لکھ دو۔ میں انکار کر دیتا، میری بساط کیا ہے مگر اس خیال سے جی خوش ہوا کہ صاحبِ عرفان سے تعلق جڑتا ہے۔ پھر کہا: آپ لکھیں گے تو کچھ برکت ہو جائے گی۔ بخدا، اگر وہ یہ کہتے کہ ایسا کرنے سے تمہارے حصّے میں خیر و برکت آئے گی تو یہ بھی ایک احسان ہوتا مگر ایسی مہربانی اور اتنی عنایت؟

پروفیسر صاحب کہتے ہیں: قرآن اللہ کا Data ہے۔ اس کے وجود پر سب سے بڑی، مکمل اور حتمی گواہی۔ ہزار اوراق میں سے ایک غلطی ڈھونڈ لو، پھر تم آزاد ہو۔ اس لیے کہ ہزاروں حماقتوں کے باوجود آدمی تو آدمی ہی رہتا ہے مگر ایک چھوٹی سی غلطی کرنے کے بعد پروردگار، پروردگار نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ کہتے ہیں، بھائی، پچاس برس پہلے، خود میں نے بھی قرآن کریم اس لیے پڑھنا شروع کیا تھا کہ کہیں کوئی غلطی نکل آئے۔ آٹھ برس غور کرتا رہا مگر وہ سچّا نکلا اور مکمل طور پر سچّا۔ زندگی کی سب سے بڑی اور بنیادی سچائی۔ تسلیم کے سوا اب چارہ کیا تھا؟ لیکن پھر وہ ایک بات اور کہتے ہیں: اللہ کی کتاب یہ کہتی ہے کہ وہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جو غور و فکر کے بغیر، خود اللہ کی آیات کو مان لیں۔ تقلید نہیں، غور و فکر، قرآن کریم میں، حدیث میں، سیرت میں، تاریخ میں، عصرِ حاضر میں، آدمی میں اور عصری علوم میں۔

دیوبندی نہ بریلوی، وہابی نہ شیعہ، پروفیسر صاحب مسلمان ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں: اللہ نے میرا نام مسلمان رکھا تو میں بریلوی یا دیوبندی کیوں بنوں؟ ۔۔۔ اور اس نے آدمی کو ایسا روشن دماغ عطا کیا تو وہ تقلید کیوں کرے؟

حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ہزار پندرہ سو الفاظ میں، اس شخص پر لکھنے کا حق ادا نہیں ہو سکتا جو قرآن میں غوطہ زن ہو اور عصری علوم میں بھی۔ خود جس کی اپنی زندگی ایک معجزہ ہے۔ ایک چراغ کہ جس سے چراغ جلتے

چلے گئے۔ ایک پوری کتاب لکھنی چاہیے مگر کیسے لکھوں۔ اذن عطا ہو تو ابتدا کروں، اللہ کو منظور ہو تو ابتدا کروں۔ کون جانتا ہے کہ آنے والا کل کیا لائے گا اور کون سا خواب متشکّل ہو پائے گا۔ آدمی مگر دعا کے ہاتھ تو اٹھا سکتا ہے۔۔۔ آیئے عرض گزاریں ہم بھی۔